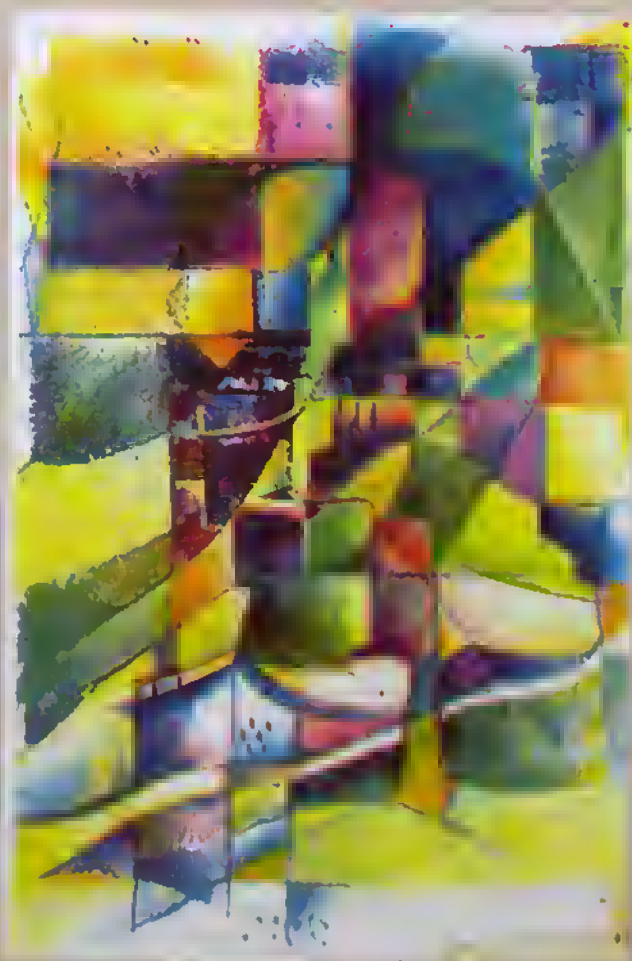


نایافت

احمد فراز



انتساب

میں تیرا نام نہ لوں پھر بھی لوگ پہچانیں
کہ آپ اپنا تعارف ہوا بہار کی ہے

ویسا چہ

یہ قصہ پُرانا ہے
جب بعض ہونٹوں نے چاہا
کہ لفظوں کو آواز کی زندگی دیں
تو خود ان کو زہر اب پینا پڑا تھا
کہ اہل حکم کو یہ ڈر تھا
یہ الفاظ
آواز کی زندگی سے
کوئی داستاں بن نہ جائیں



فضا اُداس ہے رُت مضمحل ہے میں چپ ہوں
جو ہو سکے تو چپ لا کسی کی خاطر تو

فراز تو نے اُسے مشکلوں میں ڈال دیا
زمانہ صاحبِ زر اور صرف شاعر تو

عجیب رُت تھی کہ ہر چند پاس تھا وہ بھی
بہت ملول تھا میں بھی اُداس تھا وہ بھی

کسی کے شہر میں کی گفتگو ہواؤں سے
یہ سوچ کر کہ کہیں آس پاس تھا وہ بھی

ہم اپنے زعم میں خوش تھے کہ اُس کو بھول چکے
مگر گمان تھا یہ بھی قیاس تھا وہ بھی

کہاں کا اب غم دنیا کہاں کا اب غم جاں
وہ دن بھی تھے کہ ہمیں یہ بھی راس تھا وہ بھی

فراز تیرے گریباں پہ کل جو ہنستا تھا
اُسے ملے تو دریدہ لباس تھا وہ بھی

کہ جن سے میری محبتوں کا رہا تعلق
کہ جن کی مجھ پر عنایتیں تھیں

میں کہہ رہا تھا
کہ اُن میں کچھ کو تو میں نے
جاں سے عزیز جانا
مگر اُنہیں میں سے بعض کو
میری بے دلی سے شکایتیں تھیں

میں ایک اک بات
ایک اک جرم کی کہانی
دھڑکتے دل کا نپتے بدن سے سُنا رہا تھا
مگر وہ پتھر بنی

مجھے اس طرح سے سُنتی رہی
کہ جیسے مرے لبوں پر
کسی مقدس نذیر صحیفے کی آیتیں تھیں

عقیدت

میں کتنی وارفتگی سے اُس کو سُنا رہا تھا
وہ ساری باتیں وہ سارے قصے
جو اس سے ملنے سے پیشتر
میری زندگی کی حکایتیں تھیں

میں کہہ رہا تھا
کہ اور بھی لوگ تھے
جنہیں میری آرزو تھی مری طلب تھی

کہ جس کی جیبیں پہ
ظالم رقابتوں کی جلن سے
کوئی شکن نہ آئی
وہ ضبط کی کرنباک شدت سے
دل ہی دل میں
خموش، چُپ چاپ
مر گیا ہے

سچ کا زہر

تجھے خبر بھی نہیں
کہ تیری اُداس ادھوری
مجتنبوں کی کہانیاں
جو بڑی کشادہ دلی سے
ہنس نہیں کے سُن رہا تھا
وہ شخص تیری صداقتوں پر فریفتہ
بادِ فنا و ثابت قدم

ہمیں بھی عینم طلبی کا نہیں رہا یا را
ترے بھی رنگ نہیں گردشِ زمانہ وہ

اب اپنی خواہشیں کیا کیا اُسے لُلاتی ہیں
یہ بات ہم نے کہی تھی مگر نہ مانا وہ

یہی کہیں گے کہ بس صورتِ آشنائی تھی
جو عہد ٹوٹ گیا یاد کیا دلانا وہ

اس ایک شکل میں کیا کیا نہ صورتیں دکھیں
نگار تھا، فطنت آیا نگارِ حسنہ وہ

فرازِ خواب سی دُنیا دکھائی دیتی ہے
جو لوگ جانِ جہاں تھے ہوئے فسانہ وہ

C

ہر آشنائیں کہاں غوئے محسوس نہ وہ
کہ بے وفا تھا مگر دوست تھا پرانا وہ

کہاں سے لائیں اب آنکھیں اُسے کہ رکھنا تھا
عداوتوں میں بھی اندازِ مخلصانہ وہ

جو ابر تھا تو اُسے ٹوٹ کر برسنا تھا
یہ کیا کہ آگ لگا کر ہوا روانہ وہ

پکارتے ہیں مہِ دِ سالِ منزلوں کی طرح
لگا ہے تو سب سستی کو تازیانہ وہ

تو لُٹ کر بھی اہلِ تمنا کو خوش نہیں
میں لُٹ کے بھی وِفا کے انہی قافلوں میں ہوں

بدلانہ میرے بعد بھی موضوعِ گفتگو
میں جا چکا ہوں پھر بھی تری محفلوں میں ہوں

مجھ سے بچھڑ کے تو بھی تو روئے گا سب بھر
یہ سوچ لے کہ میں بھی تری خواہشوں میں ہوں

تو ہنس رہا ہے مجھ پہ مرا حال دیکھ کر
اور پھر بھی میں شریکِ ترے قہقہوں میں ہوں

خود ہی مثالِ لالہ صحرایہ ہوں
اور خود فراز اپنے تماشا یوں میں ہوں

تیرے قریب آ کے بڑی الجھنوں میں ہوں
میں دشمنوں میں ہوں کہ ترے دوستوں میں ہوں

مجھ سے گریز پاس ہے تو ہر راستہ بدل
میں سنگِ راہ ہوں تو بھی راستوں میں ہوں

تو آچکا ہے سطحِ پہ کب سے خبر نہیں
بے درد میں ابھی انہیں گسار یوں میں ہوں

اسے یارِ خوش دیار تجھے کی خبر کہ میں
کب سے اداسیوں کے گھنے جنگلوں میں ہوں

ایسے الزام کہ خود اپنے تراشے ہوئے بُت
جذبات کا دُشِ خالق کو گنوار کریں
موقوفِ حلقہ ابرو کو بنا دے خنجر
لفظِ نوحوں میں رستمِ مدحِ رخ یار کریں
رقصِ مینا سے اُٹھے نغمہ رقصِ بسمل
سازِ خود اپنے مغنی کو گنگار کریں

مرہمِ اشک نہیں زحیمِ طلب کا چارہ
خوں بھی روؤ گے تو کس خاک کی سچ دھج ہوگی
کانپتے ہاتھوں سے ٹوٹی ہوئی بنیادوں پر
جو بھی دیوار اٹھاؤ گے وہی کج ہوگی
کوئی پتھر ہو کہ نغمہ کوئی پیکر ہو کہ رنگ
جو بھی تصویر بناؤ گے اپاہج ہوگی

تخلیق

درد کی آگ بجھا دو کہ ابھی وقت نہیں
زخمِ دل جاگ سکے نشترِ غمِ رقص کرے
جو بھی سانسوں میں گھلا ہے اُسے عریاں نہ کرو
چپ بھی شعلہ ہے مگر کوئی نہ الزام دھرے

یہ کیسی رُت ہے
 نہ برف باری کے دن
 کہ شاخوں کے پیرہن پر
 پسیدہ صبح کا گماں ہو
 نہ فصل گل ہے
 کہ ہر طرف شور جا فروشاں سے
 کوئے محبوب کا سماں ہو
 نہ دور پت جھڑکا ہے
 کہ بے جان کونسلوں کو
 اُمید فردائے مہرباں ہو

یہ کیسی رُت ہے
 کوئی تو بولے
 کوئی تو دھڑکے
 کوئی تو بھرکے

یہ کیسی رُت ہے

یہ کیسی رُت ہے
 کہ ہر شجر
 صحن گلستاں میں
 ملول و تنہا سلگ رہا ہے
 طیور چپ چاپ کب سے منقاد زیر پر ہیں
 ہوائیں نوحہ کناں
 کہ اس باغ کی بہاریں
 گئیں، تو پھر لوٹ کر نہ آئیں



آنکھ سے دُور نہ ہو دل سے اُتر جائے گا
وقت کا کیا ہے گزرتا ہے گزر جائے گا

اتنا مانوس نہ ہو خلوت غم سے اپنی
تو کبھی خود کو بھی دیکھے گا تو ڈر جائے گا

دُوبتے دُوبتے کشتی کو اُچھالا دے دوں
میں نہیں کوئی تو ساحل پہ اُتر جائے گا

زندگی تیری عطا ہے تو یہ جانے والا
تیری بخشش تری دہلیز پہ دھر جائے گا

نُبط لازم ہے مگر دُکھ ہے قیامت کا فراز
ظالم اب کے بھی نہ روئے گا تو مر جائے گا



اب شوق سے کہ جاں سے گزر جانا چاہیے
بول اے ہوا سے شہر اکدھر جانا چاہیے

کب تک اُسی کو آخری منزل کہیں گے ہم
کوئے مراد سے بھی اُدھر جانا چاہیے

وہ وقت آگیا ہے کہ ساحل کو چھوڑ کر
گہرے سمندر میں اُتر جانا چاہیے

اب رفتگاں کی بات نہیں کارواں کی ہے
جس سمت بھی ہو گردِ سفر جانا چاہیے

کچھ تو ثبوتِ خونِ تمست کہیں ملے
ہے دل تہی تو آنکھ کو بھر جانا چاہیے

یا اپنی خواہشوں کو مقدس نہ جانتے
یا خواہشوں کے ساتھ ہی مر جانا چاہیے

گئی رُت

پھر آگئی ہے، گئی رُت تمہیں خبر بھی نہیں
خبر مجھے بھی نہیں تھی کہ رات پہ پچھلے پر
کسی نے مجھ سے کہا جاگ اے دریدہ جگر
نشتہ ہے سرِ دھلیز کوئی بامِ نشیں

بدل چکا تھا سبھی کچھ تمہارے جاتے ہی
فلک کا چاند، زمیں کے گلاب راکھ ہوئے
وہ راکھ خواب ہوئی پھر وہ خواب راکھ ہوئے
تم آسکو تو میں سمجھوں تمہارے آتے ہی

کردار

ہر ایک نقش وہی آج بھی ہے جو کل بھتا
یہ راکھ خواب بنے خواب سے گلاب بنے
ہر اک ستارہ، شرکاں سے مہتاب بنے
برس مسدق کا جیسے وصال کا پل بھتا

ہم ابھی ایسا دہکتے
اب سے کچھ پہلے
وفا کے فرش پائیدہ پہ
خوش وقتی کے رنگیں شامیانوں کے تلے
اپنے ہاتھوں میں قرار و قول کی شمعیں لیے
آئندہ صیوں میں زلزلوں میں
تاقیامت ساتھ دینے کے لیے
آبادہ تھے
اک دوسرے کے اس قدر دلدادہ تھے

بجھ گئیں شمعیں قرار و قول کی
 فرشِ خاکِ سخت دپا سندہ سلیں بھی پھٹ گئیں
 اور دوپیکر
 خود اپنے خجروں کے وار سے
 خاک و خوں میں تر بتر
 فرش پر افتادہ تھے
 ہم ابھی استادہ تھے

دیکھنے والوں میں شامل
 یار بھی اغیار بھی
 چند آنکھوں میں نمی
 چند آنکھوں میں حقارت، برہمی
 چند آنکھوں میں سکوتِ دائمی
 جم گئے سائے اُدھر
 اور کانپ اُٹھی اس طرف دیوار بھی
 دشمنوں کو بھی یقین
 اور بدگماں کچھ ہمنشین — غنوار بھی
 دیکھنے والوں نے دیکھا

کس طرح صدیاں اچانک
 تائینوں میں بٹ گئیں
 شامیانوں کی طنائیں کٹ گئیں

گرفتہ دل تھے، مگر حوصلہ نہ ہارا تھا
گرفتہ دل ہیں، مگر حوصلے بھی اب کے گئے

تم اپنی شمع تمنا کو رو رہے ہو فدا
ان آنکھوں میں تو پیارے چراغ سب کے گئے



نظر بھی تو کر شے بھی روز و شب کے گئے
کہ اب تلک نہیں آئے ہیں لوگ جب کے گئے

سنے گا کون تری بے وسائیوں کا رگلا
یہی ہے رسم زمانہ تو ہم بھی اب کے گئے

مگر کسی نے ہمیں ہم سفر نہیں جانا
یہ اور بات کہ ہم ساتھ ساتھ سب کے گئے

اب آئے ہو تو یہاں کیا ہے دیکھنے کے لیے
یہ شہر کب سے ہے دیراں وہ لوگ کب کے گئے

ہر کسی سے بے تکلف ایک حد تک دلنواز
وہ بھی کی ہم پیالہ ہم نفس
عمر شاید میں سے اوپر برس یا دو برس

روزناجرمن نژاد

روزناجرمن نژاد
اور دیکھنے والوں میں سب
اس کی آسودہ نگاہی بے محابا میگاری کے سبب
پیکرِ سلیم و سرتاپا طلب
ان میں ہر اک کی متاعِ گل
بہائے التفاتِ نیم شب

روزناجرمن نژاد
اور اس کا دل زخموں سے چُور
اپنے ہمدردوں سے ہمایلوں سے دُور

روزناجرمن نژاد
اس کے ہونٹوں میں حرارت
جسم میں طوفان
برہنہ پنڈلیوں میں آگ
نیت میں فساد
رنگ و نسل و قامت و قد
سرزمینِ ودین کے سب تفرقوں سے بے نیاز

گھر کی دیواریں نہ دیواروں کے سیلوں کا سرور
جنگ کے آشکدے کا رزق کب سے بن چکا
ہر آنہنی بازو کا خوں
ہر چاند سے چہرے کا نور

چند لمحوں کی رفاقت جاوداں بھی
حسرتِ تعمیر بھی
الوداعی شام، آنسو، عہد و پیمان
مضطرب، نادبھی، نچیر بھی
کون کر سکتا ہے در نہ ہجر کے کالے سمندر کو عبور
اجنبی مہاں کا اک حرف وفا

خلوتیں خاموش و دیراں
اور ہر دہلیز پر اک مضطرب مرمر کا بُت
ایستادہ پہنے پشیم ناصبور
کون ہے اپنوں میں باقی
تو سن راہ طلب کا شہسوار
ہر درپچے کا مقدّر انتظار

نومید چاہت کا غرور
روزِ ناب اجنبی کے ملک میں خود اجنبی
پھر بھی چہرے پر اُدا سی ہے نہ آنکھوں میں تھکن
اجنبی کا ملک جس میں چار سُو
تاریکیاں ہی خیمہ زن
سب کے سیلوں سے بدن
روزِ نامرمر کا بُت

اجنبی مہاں کی دستکِ خواب
شاید خواب کی تعبیر بھی

اور اس کے گرد

ناچتے سائے بہت

سب کے ہنٹوں پر وہی حرفِ وفا

ایک سی سب کی صدا

وہ سبھی کی ہم پیالہ ہم نفس

عمر شائد میں سے اُوپر برس یا دو برس

اس آنکھوں میں تجسّ اور بس



بدن میں آگ ہے چہرہ گلاب جیسا ہے
کہ زہرِ غم کا نشہ بھی شراب جیسا ہے

وہ سانس ہے مگر تشنگی نہیں جاتی
یہ کیا ستم ہے کہ دریا سراب جیسا ہے

کہاں وہ قُرب کہ اب تو یہ حال ہے جیسے
ترے فراق کا عالم بھی خواب جیسا ہے

مگر کبھی کوئی دیکھے کوئی پڑھے تو سہی
دل آئینہ ہے تو چہرہ گلاب جیسا ہے

بہارِ نخلوں سے چمن زار بن گئے مقتل
جو نخل دار ہے شاخِ گلاب جیسا ہے

فرّازِ سنگِ ملامت سے زخمِ زخم سہی
ہمیں عزیز ہے خانہِ فراب جیسا ہے

فضا نورِ دبادل

میں سیہِ نخل میں کھڑا ہوتا
جب ایک فضا نورِ دبادل
لہراتا ہوا نطنبر پڑا تھا

یوں قلب و جگر سے آگ اٹھی
برسوں کی طویل تشنہ کا می
یکلخت ہی جیسے جاگ اٹھی



پل بھر میں بدن دکھ رہا تھا
میں سایہ نخل سے نکل کر
بادل کی طرف لپک رہا تھا

کہا تھا کس نے تجھے آبرو گنوانے جا
فراز اور اُسے حالِ دل سنانے جا
کل اک فقیر نے کس سادگی سے مجھ سے کہا
تری جبین کو بھی ترسیں گے آستانے جا

بادل بھتا سمندروں کا پایا
یہ اس کا کرم کہ چند لمحے
وہ مجھ کو بھی دے گیا دلاسا

اُسے بھی ہم نے گنوا یا تری خوشی کے لیے
تجھے بھی دیکھ لیا ہے اسے زما سنے جا

دل پر لیے داغِ نامرادی
چاہا کہ پلٹ چلوں ادھر ہی
جس سمت سے درد نے صدا دی

بہت ہے دولتِ پندار پھر بھی دیوانے
جو تجھ سے رُوٹھ چکا ہے اُسے منانے جا

دیکھا تو رُت بھی جا چکی تھی
مایوس کن انتظار کی دھوپ
اس نخلِ وفا کو کھا چکی تھی

سنا ہے اُس نے سو نمبر کی رسمِ تازہ کی
فراز تو بھی معتمد کو آزمانے جا



فصلِ رائیگاں

زندگی کے خوابِ فصلِ رائیگاں
تو دریدہ دل میں آشفتمے بیاں
زندگی کے خوابِ فصلِ رائیگاں

رائیگاں ہر درد کے سورج کی دھوپ
آبے ہاتھوں کے ماتھوں کا عرق
گیسوؤں کے ابرہوں کی شفقت
میرے دل کی آگ تیرا رنگِ وپ

نہ اب جواز نہ موقع ہے ہاتھ ملنے کا
سہمی کو شوق رہا راستے بدلنے کا

پہنچ گئے سرِ منزل بخوبی قسمت
مگر وہ لطف کہاں ساتھ ساتھ چلنے کا

میں آپ اپنے ہی پندار کے حصار میں ہوں
بہرِ شکست کہاں راستہ نکلنے کا

وہ ساعتیں تو ہواؤں کے ساتھ جا بھی چکیں
نظر میں اب بھی ہے منظرِ چراغِ جلنے کا

وہ سرد مہر سہی پر نگاہِ لطف کے بعد
فرازِ دیکھ سہماں برف کے پگھلنے کا

سلامتی کونسل

پھر چلے ہیں مرے زخموں کا مداوا کرنے
میرے غمخوار اسی فتنہ گرد ہر کے پاس
جس کی دہلیز پٹپٹکی ہیں لہو کی بوندیں
جب بھی پہنچا ہے کوئی سوختہ جاں کشتہ یاس
جس کے ایوانِ عدالت میں فروکش قاتل
بزمِ آزاد سخن گستر و فرخندہ لباس
ہر گھڑی نعرہ زناں امن و مساوات کی نثر
زر کی میزان میں رکھے ہوئے انسان کا ماس

رائیگاں خونِ وفت کی ندیاں
کشتِ بے حاصل کا چل بے نشان
آنسوؤں کی جھیل دوپہروں کی ٹو
جسمِ شل احساسِ مردہ دل لہو

چار جانب ریت کے ٹیلے رواں
کوئی فوج گرد نہ کوئی چشمِ غم
صرف ہم تو بھی کہاں میں بھی کہاں
جیسے ویرانے میں لاشیں بے اماں
بے کفن، بے گور، رزقِ کرگساں
اور یہ یادیں بھی کچھ لمحوں کی ہیں
جس طرح صحرا میں قدموں کے نشان
جس طرح تعسّیاتی خاموشیاں

تصیر انصاف کی زنجیر ہلانے والو
 بکھلا ہوں یہ قیامت کا نشہ ہے طاری
 اپنی شمشیر پہ کشکول کو تزیین نہ دو
 دم ہو بازو میں تو ہر غریب جنوں ہے کاری
 اس جزیرہ میں کہیں نور کا میسنا نہیں
 جس کے اطراف میں اک قلم زمخون ہے جاری
 ”جو ہر جامِ جم از کانِ جہانِ دگر است
 تو توقع ز گلِ کوزہ گراں می داری“

کون اس قتل گاہِ ناز کے سمجھے اسرار
 جس نے ہر دشمن کو پھولوں میں چھپا رکھا ہے
 امن کی فاختہ اڑتی ہے نشاں پر لپکن
 نسلِ انساں کو صلیبوں پہ چڑھا رکھا ہے
 اس طرف نطق کی بارانِ کرم اور ادھر
 کاسۂ سر سے مناروں کو سجا رکھا ہے

جب بھی آیا ہے کوئی کشتہ بیدار اُسے
 مریم وعدہ فردا کے سوا کچھ نہ ملا
 یہاں قاتل کے طرفدار ہیں سائے قاتل
 کاہش دیدہ پرنیوں کا صلہ کچھ نہ ملا
 کاشمیر کو ریادیت نام دو منکن کا نگو
 کسی بسمل کو بجز حرفِ دعا کچھ نہ ملا

گر روشنی یہی ہے تو اسے بد نصیب شہر
اب تیرگی ہی تیرا مہتہ زلگے مجھے

منزل کہاں کی زاد سفر کو بچا یوں!
اب رہزفوں کی نیت رہبر لگے مجھے

وہ مطمئن کہ سب کی زباں کا ٹی گئی
ایسی خموشیوں سے مگر ڈر لگے مجھے

وہ قحطِ حرف حق ہے کہ اس عہد میں فراز
خود سگنہ کار مہمپیر لگے مجھے

○

گزارا ہوں جس طرف سے بھی پتھر لگے مجھے
ایسے بھی کیا تھے لعل و جواہر لگے مجھے

لو ہو چکی شفا کہ مدا داسے دردِ دل
اب تیری دسترس سے بھی باہر لگے مجھے

ترسا دیا ہے ابرگریزاں نے اس قدر
بر سے جو بوند بھی تو سمندر لگے مجھے

تھامے رہو گے جسم کی دیوار تاجیک
یہ زلزلہ تو روح کے اندر لگے مجھے

خود اپنے غلوں میں نہائے ہوئے مگر چپ ہیں
یہ لوگ ہیں کہ چٹانیں ہیں سسج پتھر کی

وہ ایک شخص کہ سورج کے رُپ ہیں آیا
چرا کے لے گیا شمعیں نہ از ہر گھر کی



مرے قلم پہ رہی نوک جس کے خنجر کی
سنا ہے اس کی زباں بھی ہوئی ہے پتھر کی

رداں ہے قلم غلوں اندر درون شہر بھی دیکھ
کہ خوشنما تو بہت ہے فصیل باہر کی

اُجاڑ پیر گئے موسموں کو روتے ہیں
ہر آنسو کو ہو س پی گئی سمندر کی

فیقہ شہر جہیں پر کلاہ زر رکھے
نسا رہا ہے ہمیں آیتیں مستدر کی

خاک اور خوں میں لت پت لاش

کے ہونٹوں پر

اک بات جمی ہے

یہ قاتل ہے

لیکن کس کا

یہ اپنی تخلیق کا قاتل

اس نے خود کو قتل کیا ہے

لوگوں کا انبوهہ مگر

کس مُنتا ہے

کون ہے قاتل

کس نے

کس کو قتل کیا ہے؟

فتل

قاتل چُپ ہے

خوں آلودہ ہاتھ میں اب تک

خجھر خجھر خجھر کانپ رہا ہے

لوگوں کا انہوہ اُسے

گھیرے میں لے کر

بیخ رہا ہے

یہ قاتل ہے

یہ قاتل ہے

جو یوں بھی ہو تو بڑی بات ہے تری قربت
 تری وصال تری چاہت تری سیجائی
 ہر ایک زخم کو دھو دے شفیق ہاتھوں سے
 ہر ایک درد کو چن لے تری دل آرائی

مگر یہ درد یہ دکھ کب مری حدود میں ہے
 کہاں نہیں مرا یہ سیکر کہاں نہیں فیض
 تو اک وجود کو زندہ تو کر چکے لیکن
 ہر اک صلیب پر سدا ہی جسم آویزاں
 ہر ایک تیر ستم پر مرا لہو لرزاں
 کسے کسے تو بچائے گی اے مری درماں

نہیں ہے یوں

نہیں ہے یوں کہ مراد دکھ مری حدود میں ہے
 نہ صرف دل ہی دریدہ نہ صرف جاں ہی فگار
 نہ صرف دیکھتی آنکھوں میں حسرتوں کا دھواں
 نہ صرف ہاتھ شکستہ نہ سر پر زحیم ہزار

یہ اہل درد بھی کس کی دُہائی دیتے ہیں
وہ چپ بھی ہو تو زمانہ ہے ہموا اُس کا

بہمی نے ترکِ تعلق میں پہل کی کہ فساد
وہ چاہتا تھا مگر حوصلہ نہ تھا اُس کا

○

مزاج ہم سے زیادہ جُدا نہ تھا اُس کا
جب اپنے طور ہی تھے تو کیا گلہ اُس کا

وہ اپنے زعم میں تھا بے خبر رہا مجھ سے
اُسے گماں بھی نہیں میں نہیں رہا اُس کا

وہ برقِ رُود تھا مگر رہ گیا کہاں جانے
اب انتظار کریں گے شکستہ پا اُس کا

چلو یہ سیلِ بلا خیز ہی بنے اپنا
سفینہ اُس کا، خدا اُس کا، ناخدا اُس کا

گُشتان بی بی

توجیب

بمبیریت کے قاتلی پہاڑوں کی صلیبوں سے اُتر آئے

تویہ جانا

کہ ہم دشتِ عدم کو پار کر آئے

ہر اک کے پاؤں چھلنی جسمِ شل

اعضاءِ تنھن سے چُور

لیکن سب

ہر اس مرگ سے بے جان - بے حس تھے

ۛ کافران کی ایک لڑکی



چلو اُسی سے کہیں دل کا حال جو بھی ہو
وہ چارہ گر تو ہے اس کو خیال جو بھی ہو

اُسی کے درد سے ملتے ہیں سلسلے جاں کے
اُسی کے نام لگا دو ملال جو بھی ہو

مرے نہ ہمارے ہم قیس و کوہن کی طرح
اب عاشقی میں ہماری مثال جو بھی ہو

یہ زگہڑ پر جو شمعیں دیکھتی جاتی ہیں
اُسی کا قامتِ زیبا ہے چال جو بھی ہو

فرارِ اس نے وفا کی کہ بے وفائی کی
جو ابده تو ہمہی ہیں سوال جو بھی ہو

پناروں کے بلند اشجار
انگوروں کی بیلئیں
چار سوسبزہ
ہوائیں بید مشک و عود و مُر کی خوشبوؤں سے
چُور بوجھل

طائرانِ خوشنما و خوش نوا — بے کلی
بک رفتار چشموں کی تہوں میں
پتھروں کا نسیم و یا قوت سا چھل بل
ادھر کچھ دور برفالوں کے گلے
نوجواں چرواہیوں کے دودھیہا پہروں کی صورت
برف سے شفاف و دل آرا
فضا حیرت فزا — سحر آفریں دنیا
”مرہ برہم مزن تان شکنی رنگ تماشا را“

بھی یوں زرد رُو جیسے
ابھی تک آسمانوں کے سفر سے لوٹ کر
رُو حیں نہیں آئیں
چلو ہم سب کے سب زندہ ہیں
جیسے بھی ہیں یکجا ہیں
ضیا، باسط، سجید اور میں

ہمارا میزبان کب سے نہ جانے
گھر کے دروازے کھلے چھوڑے
بک شہتیر کے پُل پر ہمارا منتظر تھا
اس کو یہ معلوم تھا
ہم اجنبی مہماں
سیاحت کے لیے کن مشکلوں سے
ہفت خواں طے کر کے
اس وادی میں آئیں گے

نشے گیت گائیں گی
 الف لیلہ کے شہزادوں کی صورت
 ہم میں ہر اک
 اس طلسماتی فضا کے سحر میں گم تھا
 بتانِ آذری کا رقص جاری تھا
 یہ بلبوس میں لپٹے ہوئے
 مرم کے بُت
 مہتاب سے پیکر

بسبھی باہوں میں باہیں ڈال کر زنجیر کی صورت
 کماں کی شکل میں جُعباں
 کہ جیسے دیوتاؤں کے رتھوں کی گھوڑیاں
 وحشت سے پا کو باں
 دف و دامہ و مردنگ کے آہنگ ہیں
 آہستہ آہستہ
 کھنکھتے قفقے۔ محبوب آوازیں بھی

ہمارا میزبان مفلس تھا
 لیکن شام کو خوانِ ضیافت دیکھ کر
 ہم خس بدنداں تھے
 کشادہ طشت میں بزرخانہ بریاں
 بطک میں آبِ تاک
 اور کشتیوں میں ڈھیر سیبوں کے
 الاؤ میں دکھتی آگ
 کتنی گرم کتنی خوبصورت تھی

مگر ہم منتظر اس پل کے تھے
 جب کافرتاں کی جواں پریاں
 زمینی حسد کی خوریں
 دف و مردنگ کی تھاپوں پہ رقصاں
 اپنے محبوبوں کی فرقت کے

در د آشنای نفس کش ہمدم
 لہو اس کا بھی اس شعلے نے گرمایا
 مگر سب ساجھیوں سے کم

بتان آذری رقصاں
 مگر باسط جواک فنکار
 لیکن شکوہ سنج زندگی ہر دم
 قلم اس کا دُراشتاں و گھر تحریر
 لیکن خود تہی داماں
 شکستہ دل

خود اپنے فن سے اپنے آپ سے نالاں
 یہاں دنیا کے غم بھولا ہوا
 بسمل

ہر اک پیکر پہ سو سو جان سے قرباں

شامل ہو گئیں آخر
 کہ جیسے نفرتی گھنگرو
 اچانک جھنجھٹا اٹھیں
 بسھی غارت گر تمکین و ہوش و دشمن ایماں
 ہر اک فتنہ گر دوراں
 مگر وہ سرگروہ نازینیاں
 غیرت نابید

جان سلمہ حواں
 کشان بی بی
 قد و قامت قیامت
 جُنبشیں جادو
 بدن طوفاں

ضیا کر داریں گو تم
 مجتم صدق و ایثار و وفا

سید اک کم نظر جذبات کا پتلا
مندس

اور فقط جسموں کا سوداگر

جو اپنے ساتھیوں سے بھی چھپا کر ساتھ لایا تھا
کئی تحفے

ملنے کی ہونٹیں انگوٹھیاں
جھوٹے نگوں کے مار

دل آویز آدیزے

کسی ماہر شکاری کی طرح

اپنی ٹکسند و دم پر نازاں

ہر اک پر سحر طاری تھا

بتان آذری کا رقص جاری تھا

ضیاء حیرت میں گم

باسط ز خود رفته

سید افسوں زدہ

میں بُت

کشان بی بی کے لب

کلیوں کی صورت نیم وا

اور ہم فقط

آواز کی خوشبو سے پاگل

لذت معنی سے نامحرم

زبان یار کی لاشی و ما از حرفت بیگانہ

(ہمارے میزبان نے ترجمانی کی)

کشان بی بی یہ کہتی ہے

”مرے محبوب تو اک دستہ مر ہے

کہ جو زاتوں کو میری چھاتیوں کے درمیاں

خوشبو لٹاتا ہے

مری سمجھ لیو!

بستی کے سارے نوجوانوں ہیں

مرا محبوب پیارا

جس طرح بن کے درختوں میں ہونکل سیب استادہ

مرا محبوب

جیسے جھاڑیوں کے درمیاں کوئی گلِ سوسن

مرا محبوب مجھ سے کل ملا تھا

اُس نے مجھ سے خوب باتیں کیں

وہ کہتا تھا کہ اے میری پری

اے نازنین

اب تو مری بستی کو میرے ساتھ چل

برسات کا موسم چلا

بادل برس کر کھل چکے

انگور اور سیبوں کی مٹی جاگ اُٹھی

اے کوہاروں کی چکوری

تو نہ جانے کن پہاڑوں کی دراڑوں میں چھپی ہے

آمرے ہمراہ چل پیاری

بتانِ آذری کا رقص جاری تھا

فضا پر سحرِ ماری تھا

ہر اک کی آنکھ میں تل کی طرح

وہ کافرستان کی قلو لپڑا

مگر ہم میں کوئی سبز نہ انتونی

ضیا گو تم سہی

لیکن کشن بی بی

وہ کافر جو ضیا کو بھی نہ سوچی جائے ہے مجھ سے

نہ جانے کس طرح یہ شب ڈھلی

لیکن سحر دم

جب پرندوں کے چمکنے کی صدا آئی

کشان بی بی

یہ بلبوس میں لپٹی

جیس پر کوڑیوں کا تاج
 گالوں پر گھنی زلفیں
 کینزوں کی طرح اپنی رفیقوں کو لیے
 رخصت ہوئی ہم سے
 بصد انداز استغنا و دارائی
 تو ہم سارے تماشائی تھے پتھر
 اور پتھر تھے تماشائی



ترپ اٹھوں بھی تو وطن الم تری دہائی نہ دوں
 میں زخم زخم ہوں پھر بھی تجھے دکھائی نہ دوں

تو سے بدن میں دھڑکنے لگا ہوں دل کی طرح
 یہ اور بات کہ اب بھی تجھے سنائی نہ دوں

خود اپنے آپ کو پرکھا تو یہ ندامت ہے
 کہ اب کبھی اسے الزام بے وفائی نہ دوں

مری بھت ہی مری خواہش گناہ میں ہے
 میں زندگی کو کبھی زہر پار سائی نہ دوں

جو ٹھن گئی ہے تو یاری پر حرف کیوں آئے
حریفِ جاں کو کبھی طعنِ آشنائی نہ دوں

مجھے بھی ڈھونڈ کبھی محوِ آئینہ داری
میں تیرا عکس ہوں لیکن تجھے دکھائی نہ دوں

یہ حوصلہ بھی بڑی بات ہے شکست کے بعد
کہ دوسروں کو تو الزام نارسائی نہ دوں

فرازِ دوستِ دل ہے متاعِ محسوس
میں جاہِ جم کے عوض کا سہ گداہی نہ دوں

خواب جھوٹے خواب

خواب جھوٹے خواب میرے خواب تیرے خواب بھی
درد کی لذت بھی دھوکا قرب کا غم بھی فریب
بے قراری بھی نمائشِ خام یا رائےِ شکیب
تشنگی کی آگ بھی مت تلِ شرابِ ناب بھی

میں نے جس دریا کی وسعت دیکھ کر چاہا اُسے
وہ تو میری موجِ غم سے بھی تھا پایاب تر
تُو بڑھی جن ساحلوں کی سمت مجھ کو دیکھ کر
تشنگی اُن کی بچھا سکتی نہیں سیلاب بھی

ایسے

تجھ سے بچھڑا ہوں تو آج آیا مجھے اپنا خیال
ایک قطرہ بھی نہیں باقی کہ ہوں پلکیں تو غم
میری آنکھوں کے سمندر کون صحرا پی گئے
ایک آنسو کو ترستی ہے مری تقریبِ غم

میں نہ رو پایا تو سوچا مسکرا کر دیکھ لوں
شاید اس بے جان پیکر میں کوئی زندہ ہو خواب
پر لبوں کے تن برہنہ شانچوں پر اب کہاں
مسکراہٹ کے تشکوٰۃ خندہ دل کے گلاب

کتنا دیراں ہو چکا ہے میری ہستی کا جمال
تجھ سے بچھڑا ہوں تو آج آیا مجھے اپنا خیال

واہموں میں مبتلا ہم آج تک سمجھا کیے
تیرا آئینہ بھی سورج میرے پتھر بھی گلاب
آداب تسلیم کر لیں سب غلط باتیں کہیں
کاغذی ہیں پھول میرے تیرے دریا بھی سراب
خواب جھوٹے خواب میرے خواب تیرے خواب بھی

ہر تھکا ہارا مسافر ریت کی دیوار ہے
اسے ہوائے منزلِ جاناں ذرا آہستہ چل

اس نگہ میں زلف کا سایہ نہ دامن کی ہوا
اسے غریب شہرِ ناپرباں ذرا آہستہ چل

آبلہ پا تجھ کو کس حسرت سے تکتے ہیں فراز
کچھ تو ظالم پارس ہزار ہاں ذرا آہستہ چل

درد کی راہیں نہیں آساں ذرا آہستہ چل
اسے بیک روئے حریفِ جاں ذرا آہستہ چل

منزلوں پر قرب کا نشہ ہوا ہو جائے گا
ہمسفر وہ ہے تو اسے ناداں ذرا آہستہ چل

نامرادی کی تھکن سے جسم پتھر ہو گیا
اب سکت کیسی دل ویراں ذرا آہستہ چل

جام سے لب تک ہزاروں لغزشیں ہیں غمش نہ ہو
اب بھی محرومی کا ہے اسکاں ذرا آہستہ چل



نذرِ نذرل*

فنکار جو اپنے سحر فن سے
پتھر کو زبانِ نبشتا ہے
الفاظ کو ڈھال کر صدا میں
آواز کو جانِ نبشتا ہے
تاریخ کو اپنا خون دے کر
تہذیب کو شانِ نبشتا ہے

* نذر الاسلام

گلہ نہ کر دلِ ویراں کی ناسپاسی کا
تراکرم ہی سبب بن گیا ادا سی کا

ملول کر گئی ویراں ساعتموں کی صدا
چمن میں جی نہ لگا جنگلوں کے باسی کا

بھرم کھلا ہے کہ جب اس سے ہم کلام ہو
ہمیں بھی زعم تھا پیارے سخن شناسی کا

شکستِ عہد کوئی ایسا سانحہ تو نہ بھتا
تجھے بھی رنج ہوا بات اک ذرا سی کا

فراز آج شکستہ پڑا ہوں بُت کی طرح
میں دیوتا تھا کبھی ایک دیو داسی کا

فنکار خموش ہو تو حباب
ظلمت کے نشان کھولتا ہے
ہر اہل نظر کو دستِ قاتل
نیزے کی آنی پہ تولتا ہے
انسان بزورِ خاک و غول میں
انساں کے حقوق رولتا ہے



صحرا تو بوند کو بھی ترستا دکھائی دے
بادل سمندروں پہ برستا دکھائی دے

اس شہرِ غم کو دیکھ کے دل ٹوٹنے لگا
اپنے پہ ہی سہی کوئی ہنستا دکھائی دے

اے صدرِ بزمِ تری ساتی گری کی خیر
ہر دل بسانِ شیشہ شکستہ دکھائی دے

گرے نہیں تو زہر ہی لاؤ کہ اس طرح
تشاید کوئی نجات کا رستہ دکھائی دے

فنکار اگر زباں نہ کھولے
انبارِ گہرِ نصیب اُس کا
ورنہ ہر شہرِ یارِ دشمن
ہر شیخِ حرمِ رقیب اُس کا
چاہے وہ فساد ہو کہ نذرِ دل
بورے تو صلہِ صلیب اُس کا



اے چشم یار تو بھی تو کچھ دل کا حال کھول
ہم کو تو یہ دیار نہ بستا دکھائی دے

جنس نہر کا کون خریدار ہے منہ راز
ہیرا، کہ پتھروں سے بھی سستا دکھائی دے

یہ دل کا چور کہ اس کی ضرورتیں تھیں بہت
وگر نہ ترک تعلق کی صورتیں تھیں بہت

ملے تو ٹوٹ کے روئے نہ کھل سکے باتیں کیں
کہ جیسے اب کے دلوں میں کہورتیں تھیں بہت

بھلا دیے ہیں ترسے غم نے دکھ زبانی کے
خدا نہیں تھا تو پتھر کی صورتیں تھیں بہت

دریدہ پیر ہنوں کا خیال کیا آتا؟
امیر شہر کی اپنی ضرورتیں تھیں بہت

فراز دل کو نگاہوں سے اختلاف رہا
وگر نہ شہر میں تم شکل صورتیں تھیں بہت

کہ پتھر تو کہیں دیوارِ زنداں
 اور کہیں دہلیزِ مقتل تھے
 کبھی سداۓ دامنِ خلقت
 اور کبھی بختِ جنوں کیشاں
 کبھی ان کا ہدفِ دکانِ شیشہ گر
 کبھی صورتِ گریہ نگارِ طفلان
 کبھی بے نور آنکھوں کے نشان
 بے اشک بے اراں
 کبھی لوحِ مزارِ جاں
 نہ چارہ گر نہ اہلِ درد کے درماں
 مگر وہ بُت
 چراغِ بزمِ تنہائی
 مجسمِ رنگ و رعنائی
 فضا کی روشنی
 آنکھوں کی بنیائی

چلو اُس بُت کو بھی رو لیں

چلو اُس بُت کو بھی رو لیں
 جسے سب نے کہا پتھر
 مگر ہم نے خدا سمجھا
 خدا سمجھا
 کہ ہم نے پتھروں میں عمر کاٹی تھی
 کہ ہم نے معبدوں کی خاک چاٹی تھی

سکونِ جاں

وہ آنکھیں درد کی جھیلیں

وہ لبِ چاہت کے شعلوں سے بھرے مرجاں

وہ بُتِ انساں

مگر ہم نے وفورِ شوق میں

فرطِ عقیدت سے کہا یزداں

یہ ہم کافر

کہ دنیا کم نظر ناداں

بسبھی لاسے ہمارے سامنے اور اِتی پارینہ

کہ جن پر نقش تھے

اہلِ وفا کے عکسِ دیرینہ

شکستہ استخوانِ بے جان نابینا

جسیں سجدوں سے داغی

اور زخموں سے بھرا سینہ

اور ان کے بُت

نالی سوزِ اہلِ دل سے بے پروا

بسبھی خود بین و خود آرا

ہر اک محلِ نشین تنہا

مگر مصروفِ نظارا

اور اب ہم بھی گرفتہ دل

نہ محرومی کو سہہ پاتیں

نہ بربادی چھپانے کے رہے قابل

وہ بُتِ مرمر کی ریل

اور اہلِ سجدہ کی جبینِ گھائل

بسبھی کی بات سچ

اور ہم ندامت کے عرق میں تر تر

شرمندگی کے کرب سے سہل

چلو اب اپنے جیسے نامرادوں سے نہیں بولیں
 جو وہ کہتے ہیں وہ بولیں
 جہیں کے داغ آنکھوں کا لہو دھولیں
 چلو اس عبت کو بھی رو لیں



سائے کی طرح نہ خود سے دم کر
 دیوار کو اپنا ہم قدم کر

اپنے ہی لیے بہسا نہ دریا
 اوروں کے لیے بھی آنکھ نم کر

تیکمیل طلب نہیں مئے منزل
 طے راہ دفن قدم قدم کر

اے پھلی رُتوں کو رونے والے
 آنے والے دنوں کا غم کر



ممکن ہو تو تیشہ ہنر سے
ہر پارہ سنگ کو صدمہ کر

ہے چشم براہ ایک دنیا
پتھر کی طرح نہ بیٹھ جسم کر

یہ راہ جنوں ہے اس میں پیارے
ممکن ہو تو احتیاط کم کر

اے قصر جہاں یہ تیرا محسار
تو ہاتھ فراز کے مستلم کر

دولت درد کو دنیا سے چھپا کر رکھنا
آنکھ میں بوند نہ ہو دل میں ہمنم رکھنا

کل گئے گزرے زمانوں کا خیال آئے گا
آج اتنا بھی نہ باتوں کو منور رکھنا

اپنی آشفۃ مزاجی پہ نہیں آتی ہے
دشمنی سنگ سے اور کانچ کا پیکر رکھنا

آس کب دل کو نہیں بھتی ترے آجانے کی
پر نہ ایسی کہ قدم گھر سے نہ باہر رکھنا

ذکر اس کا سہی بزم میں بیٹھے ہوں سراز
درد کیسا ہی اٹھے ہاتھ نہ دل پر رکھنا

بے گناہی کے لہو میں تہ بہ تر
 معصومیت کی راکھ میں لت پت
 تڑپتی آرزو چینی
 کہ آخر کس عداوت کس ارادے
 کس خطا کی یہ سزا

ایک منعم کی طرح
 اُجرتی قاتل نے میرے سامنے
 بکھرے ہوئے ادراقی پر
 لفظوں کے کچھ لعل و گہر
 یا قوت و مرجاں - رکھ دیے
 لوگوں بہا
 اور میں مقتول کے مجبور وارث کی طرح
 چپ ہو گیا

خونبہا

اُجرتی قاتل کی صورت
 بے حس و بے درد لمحوں کا خدا
 آج پہلی بار جیسے قتل کر کے
 سخت شرمست رہا ہوا



نوحہ

یاد آتا ہے تو کیوں اُس سے گلہ ہوتا ہے
وہ جو اک شخص ہمیں بھول چکا ہوتا ہے

ہم ترے لطف سے نادم ہیں کہ اکثر اوقات
دل کسی اور کی باتوں سے دکھا ہوتا ہے

مل گئے ہو تو چلو رسم زمانہ ہی سی
ورنہ اب پرسش احوال سے کیا ہوتا ہے

اس قدر زہر نہ بھتا طنز حریفان پہلے
اب تو کچھ خندِ یاراں سے سوا ہوتا ہے

سادہ دل چارہ گروں کو نہیں معلوم سراز
بعض اوقات دلا سا بھی بلا ہوتا ہے

اگرچہ مرگ وفا بھی اک
سانحہ ہے لیکن یہ بے بسی
اس سے بڑھ کے جانکا ہے
کہ جب ہم خود اپنے ہاتھوں
سے اپنی چاہت کو نامرادی
کے ریگزاروں میں دفن
کر کے جدا ہوئے تو نہ
تیری پلکوں پہ کوئی آنسو
لرز رہا تھا نہ میرے ہنٹوں
پہ کوئی جاں سوز مژنبہ تھا

وہی صحرائے شبِ زیست ہیں تنہا سفری
وہی ویرانہ جاں دشتِ بلا میری طرح
آج کیوں میری رفاقت بھی گراں ہے تجھ کو
تو کبھی اتنا بھی افسردہ نہ تھا میری طرح

چاند نے مجھ سے کہا! اے میرے پاگل شاعر
تو کہ محرم ہے سرے قرینہ تنہائی کا

تجھ کو معلوم ہے جو زخمِ مری روح میں ہے
مجھ کو حاصل ہے شرفِ شناسائی کا

موجزن ہے میرے اطراف میں اک بھر سکوت
اور چہرہ چاہے فضا میں تیری گویائی کا

آج کی شب میرے سینے پہ وہ قابیل ۱۷۱
جس کی گردن پہ دمکتا ہے لہو بھائی کا

چاند اور میں

چاند سے میں نے کہا! اے مری راتوں کے رفیق
تو کہ گزشتہ و تنہا تھا سدا میری طرح

اپنے سینے میں چھپائے ہوئے لاکھوں گھاؤ
تو دکھا دے کے لیے ہنسا رہا میری طرح

ضوفاںِ حسن ترا میرے چہنر کی صورت
اور منقذ رہیں اندھیرے کی ردا میری طرح

وہی تقدیر تیری میری زمیں کی گردش
وہی افلاک کا نچھیر و فنا میری طرح

میرے دامن میں نہ میرے ہیں نہ سونا چاندی
اور نہ بحر اس کے نہیں شوق تمہائی کا

مجھ کو دکھ ہے کہ نہ لے جائیں یہ دُنیا والے
میری دُنیا ہے خزانہ میری تنہائی کا



دافستگی میں دل کا چلن انتہا کا تھا
اب بُت پرستی جو نہ فائلِ حسد اکا تھا

مجھ کو خود اپنے آپ سے شرمندگی ہوئی
وہ اس طرح کہ تجھ پہ بھروسہ بلا کا تھا

دار اس قدر شدید کہ دشمن ہی کر سکے
چہرہ مگر غصہ و رکسی آشنا کا تھا

اب یہ کہ اپنی کشتِ تمنا کو روئیے
اب اس سے کیا گلہ کہ وہ بادل ہوا کا تھا

تُو نے بچھڑ کے اپنے سہرا زام لے لیا
ورنہ سہرا ز کا تو یہ رونا سدا کا تھا

یوں بھی ہوتا ہے دو اجنبی راہ رو
 اپنی راہوں سے منزل سے نا آشنا
 ایک کو دوسرے کی خبر تک نہیں
 کوئی پیمان الفت نہ عہد وفا
 اتفاقات سے اس طرح مل گئے
 ساز بھی بچ اٹھے پھول بھی کھل گئے

سکھرا

یوں بھی ہوتا ہے برسوں کے دو ہمسفر
 اپنے خوابوں کی تعبیر سے بے خبر
 اپنے عہد محبت کے نشے میں گم
 اپنی قسمت کی خوبی پہ نازاں مگو
 زندگی کے کسی موڑ پر کھو گئے
 اور اک دوسرے سے جدا ہو گئے



چلے تھے یار بڑے زعمیں ہوا کی طرح
پلٹ کے دیکھا تو بیٹھے ہیں نقشِ پا کی طرح

مجھے وفا کی طلب ہے مگر ہر اک سے نہیں
کوئی ملے مگر اس یارِ بے وفا کی طرح

مرے وجود کا صحرا ہے منظرِ کب سے
کبھی تو آجرِ سرِ غنچہ کی صدا کی طرح

ٹھہر گئی ہے محبت کہاں کہ مدت سے
نہ ابتدا کی طرح ہے نہ انتہا کی طرح



لگا کے زخمِ بدن پر قبائیں دیتا ہے
یہ شہرِ یار بھی کیا کیا سنائیں دیتا ہے

تمام شہر ہے مقتل اُسی کے ہاتھوں سے
تمام شہر اُسی کو دعائیں دیتا ہے

کبھی تو ہم کو بھی بخشے وہ ابر کا ٹکڑا
جو آسمان کو نیلی ردائیں دیتا ہے

جدا تیوں کے زمانے پھر آگئے شاید
کہ دل ابھی سے کسی کو صدائیں دیتا ہے

وہ اجنبی تھا تو کیوں مجھ سے پھیر کر آنکھیں
گزر گیا کسی دیرینہ آشنا کی طرح

فراز کس کے ستم کا گلہ کریں کس سے
کہ بے نیاز ہوئی خلق بھی خدا کی طرح

اگر یہ سب کچھ نہیں.....

ملے تو ہم آج بھی ہیں لیکن
نہ میرے دل میں وہ تشنگی تھی
کہ تجھ سے مل کر کبھی نہ بچھڑوں
نہ آج تجھ میں وہ زندگی تھی
کہ جسم و جاں میں اُبال آئے
نہ خواب زاروں میں روشنی تھی

وہ قربتیں وہ جدائیاں سب
غبار بن کر بجھ سہ گئی ہیں
اگر یہ سب کچھ نہیں تو بتلا
وہ چاہتیں اب کدھر گئی ہیں

نہ میری آنکھیں چراغ کی لو
نہ تجھ میں ہی خود سپردگی تھی
نہ بات کرنے کی کوئی خواہش
نہ چُپ ہی میں خوبصورتی تھی
محمول کی طرح تھے دونوں
نہ دوستی تھی نہ دشمنی تھی

مجھے تو کچھ یوں لگا ہے جیسے
وہ ساعتیں بھی گزر گئی ہیں
کہ جن کو ہم لازوال سمجھے
وہ خواہشیں بھی تو مر گئی ہیں
جو نیرے میرے لہو کی حدت
کو آغوشِ برون کر گئی ہیں
مجتبیٰ شوق کی چٹانوں
سے گھاٹیوں میں اتر گئی ہیں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہم اپنے دل سے ہیں مجبور اور لوگوں کو
ذرا سی بات پر برپا قیامتیں کرنی

میں جب اُن سے تو مبہم سی گھنٹہ گونا
پھر اپنے آپ سے سو سو وضاحتیں کرنی

یہ لوگ کیسے مگر دشمنی نباہتے ہیں
ہمیں تو اس نہ آئیں محبتیں کرنی

کبھی فراز نئے موسموں میں دینا
کبھی تلاش پُرانی رفاقتیں کرنی

○

یہ کیا کہ سب سے بیاں دل کی حالتیں کرنی
فراز تجھ کو نہ آئیں محبتیں کرنی

یہ قرب کیا ہے کہ تو ماننے ہے اور میں
شمار ابھی سے جدائی کی عتیں کرنی

کوئی خدا ہو کہ پتھر جے بھی ہم چاہیں
تمام عمر اُسی کی عبادتیں کرنی

سب اپنے اپنے قرینے سے منتظر اس کے
کسی کو شکر کسی کو شکایتیں کرنی

نمایافت

ہجوم ایسا کہ راہیں نطس نہیں آئیں
نصیب ایسا کہ اب تک تو قافلہ نہ ہوا

شہیدِ شب فقط احمد فراز ہی تو نہیں
کہ جو چراغ بکف تھا وہی نشانہ ہوا

○

فیقہہ شہر کی مجلس سے کچھ بھبلانہ ہوا
کہ اس سے مل کے مزاج اور کافر نہ ہوا

ابھی ابھی وہ ملا تھا ہنسنا رہا نہیں کہیں
ابھی ابھی وہ گیس ہے مگر زمانہ ہوا

وہ رات بھول چکو وہ سخن نہ دھواؤ
وہ رات خواب ہوئی وہ سخن فسانہ ہوا

کچھ اب کے ایسے کڑے تھے فراق کے موسم
تری ہی بات نہیں میں بھی کیا سے کیا نہ ہوا

تو نسلِ آدم
و فورِ نفرت سے رُوئے قاتل پہ تھوک دے گی
مگر مجھے اس کا بھی یقیں سے
کہ کل کی تاریخ
نسلِ آدم سے یہ بھی پوچھے گی
اے مذہبِ جہاں کی مخلوق
کل ترے رُو برو ہی بے ضمیرِ تامل
ترے قبیلے کے بے گناہوں کو
جب تہ تیغ کر رہا تھا
تو تو تماشا بیوں کی صورت
خموش و بے حس
درندگی کے مظاہرے میں شریک
کیوں دکھیتی رہی سے
تری یہ سب نفرتیں کہاں تھیں

و تینام

مجھے یقیں ہے
کہ جب بھی تاریخ کی عدالتیں
وقت لائے گا
آج کے بے ضمیر و دیدہ دلیرِ تامل کو
جس کے دامان و آستین
خون بے گناہاں سے تر بہر ہے

بتا کہ اس ظلم کش قاتل کی تیغ تراں ہیں

اور تری مصلحت کے تیروں میں

فرق کیا ہے؟

تو سوچتا ہوں

کہ ہم سبھی کیا جواب دیں گے